"سبز دوشالہ" ان امرونہی کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرتؐ لائے تھے ....." ص ۳۸۸

کبیر کا دوہا اس گفتگو کے دوران کہ سیر سلوک میں دو حالتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک یہ کہ خود حق سبحانہ میں فنا ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ حق کو اپنے میں گم پائے اور یہ کیفیت قرب نوافل کی مستلزم ہے شیخ مودودی نے کہا "کبیر جلاہے کا اسی مطلب کا ایک "دوھرا" ہے ؎

آپ کو مار جگت کو مارا نیک ـــــ رام پہ باہی

بھرم کی مونڈی کاٹ کے سادھو مت ہم بھی سپاہی ،، ص ۱۶۱

مشرکوں کے میلے ...... اس کے بعد یہ گفتگو ہونے لگی کہ کفار کے میلوں میں جانا جائز ہے یا نہیں۔ خواجہ مودودی نے فرمایا" ظاہر شرع میں تو ممنوع ہے۔ مگر بعض مشائخ نے ہندوؤں کی پرستش گاہوں (مقدس مقاموں) میں قدم رنجہ فرمایا ہے چنانچہ شیخ (سید) عبدالرزاق ہانسویؒ اور شیخ عبدالرشید جون پوری قدس اللہ سرہما ماگھ کے میلے میں الہ آباد میں ہندوؤں کے مجمع میں تشریف لے گئے ہیں، اور شیخ (سید) عبدالرزاق (ہانسوی) حبس نفس کے طریقے کی تربیت حاصل کرنے بعض جوگیوں کے یہاں تشریف لے گئے ہیں، فقیر نے یہ بات مولانا جمال الدین احمد ابن شیخ افضل الہ آبادی سے سنی ہے مولانا جمال نے شیخ (سید) عبدالرزاق (ہانسوی) کی زیارت کی تھی، شیخ ہانسوی جب الہ آباد تشریف لے گئے تھے تو مولانا جمال سے ملنے کے لئے انکے مدرسے گئے تھے۔ شیخ عبدالرشید جون پوری کے مریدوں میں سے کسی نے ان سے دریافت کیا کہ باوجود اس شرع کے پاس و لحاظ کے اس میلے (ماگھ کے میلے) میں کس لئے تشریف لے گئے فرمایا" اس لئے کہ نمونۂ قیامت میری نگاہوں کے سامنے آجائے۔ یہیں سے دنیا کی بے بنیادی پر نظر جاتی ہے اس لئے وہاں کی سیر کرتا ہوں۔"

اس کے بعد خواجہ مودودی نے فرمایا کہ ایک درویش کا ایک لڑکا تھا جو اچھی خاصی اہلیت رکھتا تھا۔ لڑکے کے دوستوں نے محفل غنا اور رقص آراستہ کی اور لڑکے کو مدعو کیا اس نے اس خیال سے انکار کیا کہ کہیں یہ خبر درویش تک گئی تو برا ہوگا، جب دوستوں نے

بہت اصرار کیا تو وہ محفل میں شریک ہوگیا اُس وقت بہروپیہ (نقال) بھیس بدل بدل کر تماشا دکھارہا تھا، درویش کو بیٹے کے جانے کی خبر لگ گئی۔ بلاکر پوچھا کہ تم بھی اس محفل میں شریک تھے؟ اس نے اقرار کیا اس لئے کہ بزرگوں کے سامنے جھوٹ کا گذر نہیں، پوچھا "جب تم وہاں گئے تو تم نے کیا دیکھا؟" بیٹے نے جواب دیا کہ "ایک آدمی کو دیکھا جو بھیس بدل بدل کر آتا تھا حالانکہ وہ ایک ہی آدمی تھا" درویش نے جواب سنا اور نعرہ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو اس نے بیٹے سے کہا "جب تجھے یہ سمجھ حاصل ہے تو پھر ایسی چیزوں کے دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے" صفحہ ۶

حضور انورؐ اور فارسی ...... فرمایا "بعض علما کا خیال ہے کہ جناب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فارسی زبان میں گفتگو فرمائی ہے۔ لیکن قاموس کے مصنف مجدالدین فیروز آبادی نے اپنی کتاب "سفر السعادت" میں لکھا ہے کہ اس سلسلے میں جتنی حدیثوں کا حوالہ یہ لوگ دیتے ہیں ان کی صحت ثابت نہیں ہے" فقیر (جامع ملفوظ خواجہ حسن) نے عرض کیا کہ افغانی علماء کی لکھی بعض کتابوں میں درج ہے کہ جناب آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے افغانی زبان کے بعض الفاظ بھی ارشاد فرمائے ہیں، فرمایا "اگر اخوند درویزہ (ایک افغانی مصنف) نے لکھا ہے تو صحیح ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ وہ بادیانت اور پابند شریعت آدمی تھے" باقی

زجاجۃ المصابیح

مؤلفہ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ حنفی حیدرآبادی کتاب زجاجۃ المصابیح مولانا نے پانچ جلدوں میں مشکوۃ المصابیح کے اسلوب پر حنفی نقطۂ نظر کی پوری رعایت کے ساتھ احادیث نبوی کا مستند ذخیرہ شائع کیا ہے۔ فقہ حنفی پر اعتراضات کے مدلل جواب اور احادیث کی صحیح تعبیر کے بعد حنفی مسائل کی وضاحت کے سلسلہ میں حواشی بھی نوٹ فرمائے ہیں احناف کے لئے احادیث کا یہ مجموعہ بے نظیر اور نادر تحفہ ہے۔ کتاب عرصہ سے نایاب ہے چند نسخے حاصل ہوگئے ہیں جلد طلب فرمائیے۔ قیمت ... ساٹھ روپے

شرعی احکام کے لئے توقیت کا معیار

از:- محمد برہان الدین سنبھلی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

اسلامی تعلیمات سے معمولی واقفیت رکھنے والوں پر بھی یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ تمام احکام شرعیہ کا دارومدار، فطری اور سادہ طریقوں پر رکھا گیا ہے۔ اسلام کی ہمہ گیری کا یہی تقاضہ بھی ہے۔ کیوں کہ مصنوعی آلات اور فنی چیزیں ہر جگہ مہیا نہیں ہو سکتیں یا ان کا فراہم ہو جانا یقینی نہیں ہوتا۔

اگر ایسی چیزوں پر احکام کا دارومدار رکھ دیا جائے تو وہ بہت سے لوگوں بلکہ اکثریت کے لئے ناقابل عمل بن جائیں، چونکہ "اسلام" کے مخاطب اسود و احمر، شہری و دیہاتی، آبادیوں سے دور اور وسائل آسودگی سے مہجور، صحرانورد و بادیہ نشین، خلا باز و کوہ پیما، یعنی ہر جگہ، ہر طبقہ اور ہر طرح کے لوگ ہیں، اس لیے اس کے قوانین میں سب کی ہی رعایت کی جانی چاہیئے" اسی بنا پر عمل کے لئے وہ طریقے بتائے گئے جن کا حصول تمام لوگوں کے لئے آسان ہو اور کسی کے لئے بھی عمل کرنا "تکلیف مالا یُطاق" کا مصداق نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جن کا تعلق خاص وقت سے ہے۔ (نماز وغیرہ) ان کے لئے سورج کے مختلف حالات و اثرات کو (یعنی طلوع و غروب اور اس کے ما بعد و ما قبل کے اثرات) کو معیار بنایا گیا ہے۔ اسی طرح "مہینوں" سے وابستہ امور کے لئے چاند کی رویت کو (چاند کے افق پر موجود ہونے کو نہیں) مدار حکم قرار دیا گیا۔ کیوں کہ سورج و چاند ہی روشنی کے وہ منارے ہیں جن کی تابانی و ضیا رپاشی اور ان کے وجود سے سارا عالم اور اس کا ہر ہر گوشہ منور و مستفید ہو رہا ہے اور ان کا اثر ہر جگہ

پہونچ رہا ہے۔ "هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ"۔ [1]

چنانچہ رمضان و عید کی آمد و رفت کی تعیین کے لئے بھی صحیح احادیث میں وہی فطری اور سادہ اصول بتایا گیا ہے۔ جو اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ کہ فنی چیزوں کی فراہمی، آلات رصدیہ اور علم حساب کی احتیاج کے بغیر اس مسئلہ کو حل کیا جائے اس لیے یہ حکم دیا گیا۔

"صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ ثَلٰثِيْنَ"۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو کسی پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، نہ دوربین و دیگر آلات رصدیہ و قواعد حسابیہ سے مدد لینے کی حاجت، بس جب چاند (۲۹ تاریخ کو) نظر آجائے تب روزہ رکھنا شروع کردیں (اگر رمضان کا چاند ہے) اور عید کرلیں (اگر عید کا مہینہ ہے) اور نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرنے کے بعد اگلا دن اس کے لیے خود ہی متعین ہے۔ اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ چاند دیکھا جائے۔

اور پھر مزید آسانی یہ کہ ہر شخص پر چاند دیکھنا لازم نہیں کیا بلکہ بتا دیا گیا کہ اگر دو ایک (عید کے لیے کم از کم دو) معتبر و دیندار مسلمان (بحالت ابر و غبار) چاند دیکھ کر گواہی دیدیں تو سب کے لیے یہی کافی ہے۔ اور محض اتنی سی بات سے مہینہ کی آمد ثابت ہو جائیگی۔ لہٰذا اس کے تقاضے پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

---

[1] سورہ یونس آیت ۵

[2] مسلم شریف صفحہ ۳۴۷ ج ۱

اس امر کے لئے حوالے پیش کرنے کی چنداں حاجت تو نہیں ہے۔ (کیوں کہ ہر ذی علم کو اس اصل کا اور اس سلسلے کی احادیث کا علم ہے) تاہم یہاں صرف ایک جلیل القدر اور وسیع النظر عالم (محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ) کا قول پیش کیا جارہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

(قولہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ) المراد رویۃ بعض المسلمین ولا یشترط رویۃ کل انسان بل یکفی جمیع الناس رویۃ عدلین وکذا عدل علی الاصح ھذا فی الصوم وأما الفطر فلا یجوز لشہادۃ عدل واحد علی ہلال شوال عند جمیع العلماء الا ابا ثور[1]

غور فرمائیے! حدیث مذکور میں فیصلہ اور اس کے بعد عمل کرنے کا دارومدار چاند کی رویت پر رکھا گیا ہے۔ چاند کے افق پر محض موجود ہونے کو معیار نہیں بنایا گیا۔ گہری نظر سے دیکھا جائے تو حدیث کے الفاظ (اُغمی علیکم، غُمّی علیکم، غبی علیکم) سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ چاند افق پر موجود ہو مگر نظر نہیں آئے (کسی علت کی وجہ سے) دریں صورت یہی حکم ہے کہ تیس[30] کی گنتی پوری کی جائے (اکملوا عدۃ ثلاثین[2]) حدیث کی مشہور کتاب صحیح ترمذی میں موجود ایک حدیث کے الفاظ سے یہ پہلو اور نمایاں ہو گیا ہے۔ دیکھئے شارع[2] نے فرمایا:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصوموا قبل رمضان صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ فان حالت دونہ

---

[1] مسلم شریف مع شرح للنووی ص ۳۴۷ ج ۱۔ ناشر کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

[2] بخاری ص ۲۵۶ ج ۱۔

غیایۃ[1] فاکملوا ثلثین یوماً[2]

(یعنی رمضان کی آمد سے قبل روزہ نہ رکھو۔ چاند دیکھنے کے بعد روزہ رکھو اور چاند نظر آنے کے بعد عید مناؤ۔ اگر چاند نظر آنے میں کوئی حجاب حائل ہو جائے تو تیس ۳۰ دن پورے کرلو)

خط کشیدہ الفاظ پر بار بار نظر ڈالئے اور غور فرمائیے ان الفاظ سے کیا اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ چاند (افق پر تو موجود ہے لیکن اس کے) نظر آنے میں بادل یا کوئی اور پردہ حائل ہو گیا اس وجہ سے دیکھا نہ جا سکا) اس حالت میں بھی یہی حکم ہے کہ تیس ۳۰ دن پورے کئے جائیں ان امور سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اصل چیز "رویت" ہے نہ کہ "وجودِ ہلال بر افق"

ان وجوہ کی بنا پر بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ ہوائی جہاز سے بادل کے اوپر چاند دیکھنا یا جنتری کی بنیاد پر یا اور کسی آلہ کے ذریعہ بتکلف اس پر زور لگانا کہ کسی طرح چاند ہو جائے یا حسابی قواعد اور علم ہیئت کے اصول سے ہلال کا ثبوت مان کر اس کے مطابق عمل کرنا یہ تمام طریقے روحِ شریعت سے میل نہیں کھاتے۔ بلکہ مؤخر الذکر طریقے کو "رویت" کے باب میں گویا ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث کی معتبر ترین کتابوں میں موجود ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے:- عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ أنّه

---

[1] "الغیایۃ"۔ کل ما اظل الانسان فوق رأسہ کالسحابۃ ونحوھا (قاموس ربع رابع ص۳۸۲ مطبع نول کشور لکھنؤ) "فان حالت (دونہ غیایۃ" ای دون الھلال سحابۃ او غبرۃ ھی بتحتیتین کلما أظلک (مجمع بحار الانوار ص۱۰ ج۔۳ "الغیایۃ" کل ما اظل الانسان کالسحابۃ او الغبرۃ (المنجد مادہ غی ص۵۶۵)

[2] ترمذی ص۸۶ ج۔۱ ناشر مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

قال أنا امة امية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا - يعني مرة تسعاً و
ومرة ثلثين [1]

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور شارح علامہ طیبیؒ اس حدیث کا مطلب
یہ بیان فرماتے ہیں - إن الاستقصاء فی معرفة الشهر لا إلى الكتاب والحساب
كما عليه اهل النجامة - [2]

شرح حدیث کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ یوں رقمطراز ہیں - [3]

"إنما بالغ فى البيان مع الاشارة المذكورة ليبطل الرجوع إلى ما عليه الحـ
والمنجمون"

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح بایں الفاظ فرمائی -

وإن العمل ما يعتاده المنجمون ليس من هدينا وسنتنا بل علمنا
يتعلق برؤية الهلال فانا نراه مرة تسعاً وعشرين ومرة ثلثين - [4]

پوری امت میں صرف چند اکابر سے اصول حساب پر اعتماد کرکے فیصلہ رویت کر
کی بات منقول ہے، مگر ان میں سے بعض کی طرف اس قول کی نسبت ہی محل نظر ہے جیسا کہ حافظ
حجرؒ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے :-

قال ابن عبد البر لا يصح عن مطرف واما قتيبة فليس هو ممن يعر
عليه فى مثل هذا [5] اس طرح لے دے کے اس کے قائل بس لے صرف ایک دو فر

---

[1] بخاری شریف صفحہ ۲۵۶ ج ۱ - مسلم شریف صفحہ ۳۴۷ ج ۱ -

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ صفحہ ۲۴۳ ج ۴ - مکتبہ امدادیہ ملتان -

[3] ایضاً [4] ایضاً

[5] فتح الباری صفحہ ۱۰۴ ج ۴ -

اتے ہیں۔

(ابن سریجؒ، وسبکیؒ) سوان کی بات جماعت علماء نے رد کر دی (حدیث نبی کی وجہ سے) جیسا کہ علامہ ابن عابدینؒ نے ذکر کیا لا یعتبر قولھم (قول الموقتین) بالاجماع ...... ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاہ بالکلیۃ[1] خلاصہ یہ کہ حساب، یا جدید آلات پر اعتماد شرعاً معتبر نہیں ہے۔ رویت کے لئے غیر ضروری تکلف سے بچنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ گھروں میں بیٹھے رہیں اور چاند دیکھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھنے کی تاکید فرمائی ہے اور رمضان المبارک کے چاند کا، شعبان سے ہی اہتمام کرنے کا حکم دیا۔

"احصوا ھلال شعبان لرمضان"[2]

اس لئے سادہ طریقوں سے چاند دیکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے اور جس شخص کو چاند نظر آجائے اس کی شرعی ذمہ داری ہے کہ مفتی یا قاضی یا ہلال کمیٹی کے روبرو جا کر شہادت دے اور اپنا فرض ادا کرے۔

شرعی طریقہ پر رؤیت ثابت ہو جانے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور ممکن ذرائع سے اس فیصلہ کا اعلان، اور اس کی اشاعت بھی مطلوب ہے تاکہ لوگ (جو رویت کے بعد عمل کے مکلف ہیں) عدمِ علم کی بنا پر امتثال حکم سے نہ جائیں۔

موجودہ زمانے میں نشر و اشاعت اور خبر رسانی کے ذرائع بہت متنوع اور کثیر التعداد ہیں۔ ان تمام وسائل کا شرعی حکم دریافت کر کے عوام کو اس سے آگاہ کرنا علمائے عصر کی ذمہ داری

---

[1] ردالمحتار ص ۹۲ ج ۲ مطبوعہ دیوبند۔ پوری تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایۃ المجتہد ص ۲۲۵ ج ۱ ماخذ مذکورہ

[2] ترمذی شریف ص ۱۰ ج ۱ مطبع رحیمیہ دیوبند۔

ہے جیسا کہ زمانۂ گذشتہ میں اُس دور کے علماء نے کیا۔

ان ذرائع میں سب سے زیادہ رائج اور ہر جگہ دستیاب ہونیوالا " ریڈیو " ہے اور اس کی یہی ہمہ گیری ایک طرح سے ابتلاء اور الجھن کا باعث بن گئی ہے اس لئے سب سے پہلے اسی کے بارے میں ایک دو ٹوک فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں احقر کا ایک تفصیلی مضمون ماہنامہ " برہان " اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوچکا ہے۔ اس میں زیر بحث مسئلہ کے ہر گوشہ کا علمی و تحقیقی جائزہ لے کر عملی راہیں بھی تجویز کی گئی ہیں اہل علم اس پر متفق ہو جائیں تو مسئلہ کے حل کی قابل عمل شکلیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔

ایک غلط فہمی تمام عالم کے مسلمانوں، بالخصوص عالم عرب کے بسنے والوں کا عام رجحان بلکہ ان کی دلی آرزو یہ ہوتی ہے کہ پوری دنیا میں ایک ہی دن عید منائی جائے اور ایک ہی روز رمضان المبارک کا آغاز ہو۔ اور اس " وحدت " کو اتحاد و اخوت اسلامی کا اہم ذریعہ بلکہ ناگزیر ضرورت خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بنظر غائر دیکھا جائے تو (دلوں کو جوڑنے کے لئے) یہ " وحدت " نہ صرف یہ کہ ضروری نہیں بلکہ اس کا حصول ناممکن ہے۔ اور محض اس " وحدت میں اتحاد و اتفاق کا راز " سمجھنا اسی سطحیت پسندی اور جذباتی اندازِ فکر کا مظاہرہ کرنا ہے جس کا مدتوں سے تجربہ ہو رہا ہے " خیر القرون " میں آج سے کہیں زیادہ قلوب جڑے ہوئے اور مسلمان گویا یک جان چند قالب کا حقیقی مصداق تھے، مگر حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے اہل شام کی رویت کی بنیاد پر مدینہ میں فیصلہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔[۱] اس کے باوجود (دونوں علاقوں کے رہنے والوں کے) نہ دلوں میں فرق آیا اور نہ " خیر الامۃ " کے اس فیصلہ کو کسی نے تشتت و افتراق کا سبب سمجھا۔

---

[۱] دیکھئے مسلم شریف ص۳۴۸ ج ۱، ترمذی ص۸۷ ج ۱، نیل الاوطار ص۲۰۶ ج ۴